رسائل و مسائل

"حکومت الٰہیہ" اور پاپائیت کا اصولی فرق

سوال: کچھ عرصہ ہوا کہ رسالہ پیغام حق لاہور میں جناب ابو سعید بزمی صاحب کا مضمون "حکومت کا اسلامی تصور" نظر سے گزرا۔ اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

"اسلامی سیاست کا ایک تصور وہ بھی ہے جسے حال ہی میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بڑے زور شور کے ساتھ پیش کیا ہے اور جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ حکومت عوام کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ تاریخی حیثیت سے یہ اصول نیا نہیں۔ یورپ میں ایک عرصہ تک تھیا کریسی (Theocracy) کے نام سے اس کا چرچا رہا اور روم کے پاپائے اعظم کا اقتدار اسی تصور کا نتیجہ تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ چونکہ خدا کوئی ناطق ادارہ نہیں اس لیے جس شخص کو خدا کے نام پر اختیار و اقتدار مل جائے وہ بڑی آسانی سے اس کا غلط استعمال کر سکتا ہے۔ مولانا مودودی کے حلقۂ خیال کے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا تصور سیاست پاپائے اعظم کے تصور سے مختلف ہے، لیکن چونکہ وہ عوام کو جوابدہ قرار نہیں دیتے اور اسی بنیاد پر جمہوریت کو غلط سمجھتے ہیں اس لیے نتیجۃً ان کا تصور پاپائے اعظم ہی کا تصور ہو کر رہ جاتا ہے۔"

پھر بزمی صاحب اپنی طرف سے ایک حل پیش کرتے ہیں لیکن وہ بھی وجہ تسلی نہیں ہوتا۔ آپ براہ کرم ترجمان القرآن کے ذریعے اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیں اور صحیح نظریہ کی توضیح کر دیں۔

جواب: بزمی صاحب نے غالباً میرا مضمون "اسلام کا نظریۂ سیاسی" ملاحظہ نہیں فرمایا ہے ورنہ وہ دیکھتے کہ جو اعتراضات انھوں نے میرے مسلک پر کیے ہیں ان کا پورا جواب اس مضمون میں موجود ہے لیکن اگر انھوں نے اس مضمون کو پڑھا ہے اور پھر یہ اعتراضات کیے ہیں تو میں سوائے اس کے کہ

اظہار تعجب کروں، اور کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ میرے اس مضمون میں یہ عبارتیں قابلِ ملاحظہ ہیں:

"مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے، اسلامی تھیاکریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔

یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ ایسی حکومت کو الٰہی حکومت کہنے کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیاکریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی، بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرز حکومت کو الٰہی جمہوری حکومت (Theo democratic state) کے نام سے موسوم کروں گا، کیونکہ اس میں خدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حکومت عطا کی گئی ہے۔ اس میں عامۂ مسلمانوں کی رائے سے بنے گی، مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے، سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے، اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔"

پھر میں نے اوپر کی عبارت کے نیچے حاشیہ میں اس کی مزید تشریح کی ہے کہ:

"عیسائی پاپاؤں اور پادریوں کے پاس مسیح کی چند اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی شریعت سرے سے تھی ہی نہیں، لہٰذا وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشات نفس کے مطابق قوانین بناتے تھے اور انھیں یہ کہہ کر نافذ کرتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔"

کوئی شخص جو مسیحی مذہب اور پاپائیت کی تاریخ سے واقف ہے، میرے اس اشارہ کو جو میں نے

ان چند فقروں میں کیا ہے، سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ یورپ کا پاپائی نظام سینٹ پال کا پیرو تھا جس نے موسوی شریعت کو لعنت قرار دے کر مسیحیت کی بنیاد صرف اُن اخلاقی تعلیمات پر رکھی تھی جو نئے عہد نامہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان اخلاقی تعلیمات میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جس پر ایک تمدن اور ایک سیاست کا نظام چلایا جا سکے۔ مگر جب پاپاؤں نے یورپ میں بلاواسطہ یا بالواسطہ تھیاکریسی قائم کی تو اس کے لیے ایک قانون شریعت بھی وضع کیا، جو ظاہر ہے کہ کسی وحی و الہام سے ماخوذ نہ تھا، بلکہ خود ان کا گھڑا ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے جو نظام عقائد، جو مذہبی اعمال و رسوم، جو نذریں اور نیازیں، جو معاشرتی ضوابط وغیرہ تجویز کیے تھے ان میں سے کسی کی سند بھی ان کے پاس کتاب اللہ سے نہ تھی۔ اسی طرح انھوں نے خدا اور بندے کے درمیان مذہبی منصب داروں کو جو ایک مستقل واسطہ قرار دے دیا تھا یہ بھی ان کا خود ساختہ تھا۔ نیز انھوں نے نظام کلیسا کے کارپردازوں کے لیے جو حقوق اور اختیارات تجویز کیے تھے اور جو مذہبی ٹیکس لوگوں پر لگائے تھے، ان کے لیے بھی کوئی ماخذ ان کی اپنی ہوائے نفس کے سوا نہ تھا۔ ایسے نظام کا نام چاہے انھوں نے تھیاکریسی رکھ دیا ہو، لیکن وہ فی الحقیقت تھیاکریسی نہیں تھا۔ اس کو آخر اسلام کی حکومت الٰہیہ یا شرعی حکومت سے کیا مماثلت ہو سکتی ہے جس کے لیے کتاب و سنت کی صورت میں بالکل واضح اور ناقابل حذف و ترمیم قانون موجود ہے۔

پھر زمی صاحب کا یہ ارشاد بالکل عجیب ہے کہ ہم خلیفہ کو وہی حیثیت دیتے ہیں جو عیسائیوں میں پوپ کی حیثیت ہے، اور یہ کہ ہم اسے عوام کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے۔ اس کے جواب میں میں پھر اپنے اسی مضمون کی چند عبارتیں نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ میں نے آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کما استخلف الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "دوسری کانٹے کی بات اس آیت میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوئی ہے وہ عمومی خلافت ہے۔"

پھر آگے چل کر میں نے لکھا ہے کہ:

"یہاں ہر شخص خلیفہ ہے۔ کسی شخص یا گروہ کو حق نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کرکے خود حاکم مطلق بن جائے۔ یہاں جو شخص حکمران بنایا جاتا ہے اس کی اصلی حیثیت یہ ہے کہ تمام مسلمان ، یا ، اصطلاحی الفاظ میں تمام خلفاء اپنی رضامندی سے اپنی خلافت کو انتظامی اغراض کے لیے اس شخص کی ذات میں مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ ایک طرف خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور دوسری طرف اُن عام خلفاء کے سامنے ، جنھوں نے اپنی خلافت اس کو تفویض کی ہے۔"

اس کے بعد میں نے پھر اسی مضمون میں دوسرے مقام پر تصریح کی ہے کہ :

"اسلامی اسٹیٹ میں امام یا امیر یا صدر حکومت کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ عام مسلمانوں کو جو خلافت حاصل ہے ، اس کے اختیارات وہ اپنے میں سے ایک بہترین شخص کا انتخاب کرکے امانت کے طور پر اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس کے لیے خلیفہ کا جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس وہی اکیلا خلیفہ ہے ، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی خلافت اس کی ذات میں مرتکز ہو گئی ہے۔"

اس کے بعد یہ فقرہ بھی میرے اسی مضمون میں موجود ہے کہ :

"امیر تنقید سے بالاتر نہ ہوگا۔ ہر عامی مسلمان اس کے پبلک کاموں ہی پر نہیں بلکہ اس کی پرائیویٹ زندگی پر بھی نکتہ چینی کرنے کا مجاز ہوگا۔ وہ قابل عزل ہوگا۔ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت عام شہریوں کے برابر ہوگی۔ اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکے گا اور وہ عدالت میں کسی امتیازی برتاؤ کا مستحق نہ ہوگا۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ مجلس شوریٰ ایسی ہوگی جسے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہو۔ اس امر میں بھی کوئی مانع شرعی نہیں ہے کہ اس مجلس کو مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے .... ہر صورت میں عامۂ مسلمین اس بات پر نظر رکھیں گے کہ امیر اپنے ان وسیع اختیارات کو تقویٰ اور خوف خدا کے ساتھ استعمال کرتا ہے یا نفسانیت کے ساتھ۔ بصورت دیگر رائے عام اس امیر کو مسند امارت سے نیچے بھی اتار لا سکتی ہے۔"

ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی شخص ہماری تھیاکریسی کو پاپایانِ روم کی قائم کردہ تھیاکریسی سے مشابہ قرار دے تو بہرحال ہم اسے اس کی آزادیِ رائے سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ مگر یہ ضرور عرض کریں گے کہ یہ رائے علم و دلیل سے آزاد ہے۔

کنوز کا نصابِ زکوٰۃ

سوال: تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ چاندی کا نصابِ زکوٰۃ دو سو درہم (۵۲½ تولہ) ہے اور سونے کا بیس دینار (۷½ تولہ)، اور علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس چاندی اور سونا دونوں ہوں اور ہر ایک نصابِ مقررہ سے کم ہو تو اس صورت میں سونے کی قیمت چاندی سے لگا کر یا چاندی کی قیمت سونے سے لگا کر ـــــ دونوں میں سے جو صورت بھی انفع للفقراء ہو ـــــ مجموعہ کو دیکھیں گے۔ یہاں تک تو بات صاف ہے۔ لیکن یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر صرف چاندی ہو تو چاندی کا نصاب ہوگا اور اگر صرف سونا ہی سونا پاس ہو تو سونے کا نصاب حساب کی اساس ہوگا۔ اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف ساڑھے ۵۲ روپیہ ہے تو اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ مگر جس کے پاس صرف چھ تولہ سونا ہے وہ زکوٰۃ سے بری ہے حالانکہ مالدار ہونے کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو موجودہ نرخ کے اعتبار سے وہ تقریباً ۵۰۰ روپیہ کا مالک ہے۔ بہرحال علماء کے فتوے شخصِ اول پر زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں اور شخصِ ثانی پر زکوٰۃ عائد ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن کم مالدار سے اخذِ زکوٰۃ اور کثیر المال کو چھوڑ دینا تعجب انگیز بات ہے۔ میں تو اپنی جگہ یہ سمجھا ہوں کہ زمانۂ قدیم میں چاندی اور سونے کی مالیت میں وہ نسبت نہ تھی جو آج کل ہے۔ آج کل تو ۱ = ۷۰ یا ۱ = ۸۰ کی نسبت ہے مگر دورِ نبوی میں تقریباً ۱ = ۷ کی تھی۔ زکوٰۃ کی فرضیت میں مالیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور ۲۰۰ مثقال چاندی کنوز کا بنیادی نصابِ زکوٰۃ ہے۔ نبی صلعم نے زکوٰۃ کا نصاب معین کرتے ہوئے اسی چاندی کی مقدار کو ذکر فرمایا۔ اس دور میں ۲۰۰ مثقال چاندی کی مالیت کا سونا چونکہ ۲۰ مثقال (۷½ تولہ) ہی بنتا تھا، اس لیے یہ نصاب قرار پا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ

تا قیام قیامت سونے کی زکوٰۃ کے لیے ۷½ تولہ ہی مستقل نصاب معین رہے۔ بلکہ سونے کی وہ مقدار نصاب زکوٰۃ ہوگی جو ۵۲½ تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو، یعنی جس شخص کے پاس صرف سونا ہو وہ اس کی قیمت لگا کے دیکھے کہ اگر وہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے یا اس سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرے ہے میرے اس خیال کی تائید نہ کسی کتاب کی فقہی عبارات کرتی ہیں، نہ علمائے وقت ہی اسے تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں، اس وجہ سے مجھے اپنی رائے پر اعتماد نہیں ہے۔ آپ جس پہلو کو مرجح قرار دیں میرے لیے موجب اطمینان ہوگا

جواب: (۱) آپ کا خیال اس حد تک تو درست ہے کہ نبی صلعم کے زمانہ میں چاندی اور سونے کی نسبت وہی تھی جو نصاب کی مقدار سے معلوم ہوتی ہے، یعنی ۵۲½ تولہ چاندی = ۷½ تولہ سونا۔ لیکن آپ کے اس خیال سے مجھے اتفاق نہیں ہے کہ اب نسبتوں میں جو عظیم الشان فرق ہو گیا ہے اس کی بنا پر چاندی یا سونے کے نصاب کو تبدیل کر دیا جائے۔ اس کے وجوہ یہ ہیں:

(۱) یہ طے کرنا مشکل ہے کہ اصل سونے کو قرار دیا جائے یا چاندی کو؟ یعنی سونے کا نصاب چاندی کی قیمت کے معیار پر گھٹایا بڑھایا جاتا رہے یا اس کے برعکس؟ جس چیز کو بھی معیار قرار دیا جائے گا وہ ایک غیر شرعی چیز ہوگی، کیونکہ شارع نے دونوں کا حکم مستقلاً الگ الگ بیان کیا ہے اور کوئی اشارہ تک ایسا نہیں ہے جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کو دوسرے کے لیے معیار قرار دیا جائے۔

(۲) سونے اور چاندی کی قیمتوں میں نسبتیں آئے دن بدلتی رہتی ہیں اور ان دائمی تغیرات کی وجہ سے کوئی ایک مستقل شرعی حکم باقی نہیں رہتا۔ اگر سونے اور چاندی کی مقداروں کے بجائے کسی ایک کے نصاب کو دوسرے کی آئے دن بدلنے والی قیمتوں پر موقوف کر دیا جائے۔

(۳) جو مشکل آپ نے سونے اور چاندی کے معاملہ میں بیان کی ہے وہی بکریوں، اونٹوں، گایوں بھینسوں اور گھوڑوں کے نصاب میں بھی پیش آتی ہے۔ کیونکہ ان کی قیمتوں کی باہمی نسبتوں میں بھی مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں بہت بڑا فرق ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے

کس کی قیمت کو اصل قرار دے کر دوسری انواع کے نصاب کو اس کے مطابق بنایا جائے

اس لیے میری رائے میں مناسب یہی ہے کہ جن جن اشیا کی زکوٰۃ کے لیے جو نصاب شارع نے مقرر کر دیا ہے، اور جس مقدار یا تعداد پر جو زکوٰۃ عائد کر دی ہے اس کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے۔

مسئلۂ مہدی

سوال: چند حضرات نے جو نیت و دیندار و مخلص ہیں، تجدید و احیائے دین کی ان سطور کے متعلق جو آپ نے امام مہدی کے متعلق تحریر فرمائی ہیں، احادیث کی روشنی میں اعتراضات پیش فرمائے ہیں، جنھیں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ میں اس احساس کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ دعوت اقامت دین کے پورے کام میں شریعت کی پابندی ضروری ہے۔ پس لازم ہے کہ ہر وہ چیز جو آپ کے قلم سے نکلے، عین شریعت کے مطابق ہو اور اگر کبھی کوئی غلط رائے تحریر میں آئے تو اس سے رجوع کرنے میں کوئی تامل نہ ہونے پائے۔

امام مہدی کے متعلق جو سطور آپ نے صفحہ ۳۱ تا صفحہ ۳۳ تحریر فرمائی ہیں وہ ہمارے فہم کے مطابق احادیث کے خلاف ہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے ترمذی ابوداؤد کی تمام روایات کا مطالعہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات کے راوی فرقہ خارجی یا شیعہ ہیں لیکن ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کے ہاں ایسی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جن کے راوی ثقہ اور صدوق ہیں اور وہ آپ کی رائے کی تصدیق نہیں بلکہ تردید کرتی ہیں۔ مثلاً ابوداؤد کی روایت ملاحظہ ہو۔

حدثنا محمد بن المثنیٰ ...... عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفۃ فیخرج رجل من اھل المدینۃ ھاربًا الی مکۃ فیاتیہ ناس من اھل مکۃ فیخرجونہ وھوکارہ فیبایعونہ بین الرکن والمقام .... (کتاب المہدی)۔

اس روایت سے لے کر آخر روایت تک ملاحظہ ہو تمام راوی ثقہ ہیں۔ نیز بیہقی کی بھی ایک روایت مشکوٰۃ کی کتاب الفتن میں تحریر ہے:-

عن ثوبان قال اذا رأیتم الرأیات السود قد جاءت من قبل خراسان

فأتوها فان فیها خلیفة اللہ المھدی

مندرجہ بالا احادیث سے آپ کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ المھدی کو اپنے مھدیٔ موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی۔ خصوصاً یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

وجب علی کل مومن نصرہ او قال اجابتہ

نیز ترمذی کی ایک روایت کے یہ الفاظ بھی دیکھیے:

قال فیجیٔ الیہ الرجل فیقول یا مھدی! اعطنی اعطنی! قال فیحثی

لہ فی ثوبہ ما استطاع ان یحملہ

(۲) جناب نے فرمایا ہے کہ مہدیٔ موعود جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا...... وغیرہ! آپ کے ان الفاظ کی کوئی سند احادیث میں نہیں ہے۔ اگر ہو تو تحریر فرمائیں۔ جو لوگ آپ کے برعکس خیالات رکھتے ہیں ان کی واقعاتی دلیل یہ ہے کہ اب تک جتنے مجددانِ امت گذرے ہیں وہ عموماً صوفیائے کرام کے طبقہ میں ہوئے ہیں۔

(۳) جناب کی ان سطور سے کہ وہ جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا، یہ شبہہ کیا جا رہا ہے کہ آپ خود امام مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔

(۴) کتاب "علامات قیامت" (مؤلفہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب و مترجمہ مولوی نور محمد صاحب) میں امام مہدی کے متعلق مسلم و بخاری کے حوالے سے چند روایات درج ہیں، لیکن تحقیق کرنے پر مسلم و بخاری میں مجھے اس قسم کی کوئی حدیث نہ مل سکی۔ اسی کتاب میں ایک روایت یہ بھی درج ہے کہ بیعت مہدی کے وقت آسمان سے یہ ندا آئے گی کہ "ھذا خلیفۃ اللہ المھدی فاسمعوا لہ واطیعوا"۔ اس روایت کے متعلق آپ کی تحقیق کیا ہے؟

جواب: (۱) امام مہدی کے متعلق جو احادیث مختلف کتب حدیث میں مروی ہیں ان کے متعلق میں اپنی تحقیق کا خلاصہ ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳، ۴، ۵، ۶ میں عرض کر چکا ہوں۔ جو لوگ امام مہدی

کے متعلق کسی روایت کو ماننے کے لیے اتنی بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ وہ حدیث کی کسی کتاب میں درج ہے یا تحقیق کا حق ادا کرنے کے لیے صرف اس مرحلہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ راویوں کے متعلق یہ معلوم کر لیں کہ وہ ثقہ ہیں یا نہیں، ان کے لیے یہ درست ہے کہ اپنا وہی عقیدہ رکھیں جو انھوں نے روایات میں پایا ہے۔ لیکن جو لوگ ان روایات کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کرتے ہیں اور ان میں بکثرت تعارضات پاتے ہیں۔ نیز جن کے سامنے بنی فاطمہ اور بنی عباس اور بنی امیہ کی کشمکش کی پوری تاریخ ہے اور وہ صریح طور پر دیکھتے ہیں کہ اس کشمکش کے فریقوں میں سے ہر ایک کے حق میں متعدد روایات موجود ہیں اور راویوں میں سے بھی اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جن کا ایک نہ ایک فریق سے کھلا ہوا تعلق تھا۔ ان کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ ان روایات کی ساری تفصیلات کو صحیح تسلیم کر لیں۔ خود آپ نے جو احادیث نقل کی ہیں اُن کے اندر بھی "رایات السود" یعنی کالے جھنڈوں کا ذکر موجود ہے، اور تاریخ سے معلوم ہے کہ کالے جھنڈے بنی عباس کا شعار تھے نیز یہ بھی تاریخ سے معلوم ہے کہ اس قسم کی احادیث کو پیش کر کر کے خلیفہ مہدی عباسی کو مہدیٔ موعود ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ اب اگر کسی کو ان چیزوں کے ماننے پر اصرار ہے تو وہ مانے اور تجدید احیاء دین میں میں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس کو رد کر دے۔ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ہر تاریخی، علمی اور فقہی مسئلہ میں میری ایک بات سب لوگوں کے لیے قابل تسلیم ہو۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان مسائل میں میری کوئی تحقیق کسی کو پسند نہ آئے تو اصل دین کی سعی اقامت میں بھی میرے ساتھ تعاون کرنا اس کے لیے حرام ہو جائے۔ آخر یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے کہ حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ علوم میں اہل علم کی رائیں مختلف ہوئی ہوں۔

(۲) میں نے یہ جو بات کہی ہے کہ مہدیٔ موعود جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ڈاڑھی منڈوائے گا، کوٹ پتلون پہنے گا، اور اپ ٹوڈیٹ فیشن میں رہے گا۔ بلکہ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ جس زمانہ میں بھی پیدا ہوگا اُس زمانہ کے علوم سے، حالات سے اور ضروریات سے پوری طرح واقف ہوگا، اپنے زمانہ کے مطابق عملی تدابیر اختیار کرے گا اور ان تمام آلات و وسائل سے کام لے گا جو اس کے دور میں سائنٹفک تحقیقات سے دریافت ہوئے ہوں۔ یہ تو ایک صریح عقلی بات ہے جس کے لیے کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر نبی صلعم اپنے زمانہ کی تدابیر مثلاً خندق، دبابہ، منجنیق وغیرہ استعمال فرماتے

تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ کسی دور میں جو شخص حضورؐ کی جانشینی کا حق ادا کرنے اٹھے گا وہ ٹینک اور ہوائی جہاز سے، سائنٹفک معلومات سے اور اپنے زمانہ کے احوال و معاملات سے بے تعلق ہو کر کام کرے گا۔ کسی جماعت کے حصولِ مقصد اور کسی تحریک کے غلبہ کا فطری راستہ یہی ہے کہ وہ قوت کے تمام جدید ترین وسائل کو قابو میں لائے اور اپنا اثر پھیلانے کے لیے جدید ترین علوم و فنون اور طریقہ ہائے کار کو استعمال کرے۔

(۳) یہ ارشاد کہ "اس سے شبہہ کیا جا رہا ہے کہ تو خود امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔" اس کے جواب میں بجز اس کے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ اس قسم کے شبہات کا اظہار کرنا کسی ایسے آدمی کا کام تو نہیں ہو سکتا جو خدا سے ڈرتا ہو، جسے خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت بھی یاد ہو کہ "اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"۔ جو حضرات اس قسم کے شبہات کا اظہار کر کے بندگانِ خدا کو جماعت اسلامی کی دعوتِ حق سے روکنے کی کوشش فرما رہے ہیں، میں نے اُن کو ایک ایسی خطرناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس سے وہ کسی طرح رہائی حاصل نہیں کر سکیں گے، اور وہ سزا یہ ہے کہ انشاء اللہ میں ہر قسم کے دعووں سے اپنا دامن بچائے ہوئے اپنے خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ یہ حضرات خدا کے سامنے اپنے ان شبہات کی اور ان کو بیان کر کر کے لوگوں کو حق سے روکنے کی کیا صفائی پیش کرتے ہیں۔

(۴) کتاب علامات قیامت میں جس روایت کا ذکر ہے، اس کے متعلق میں نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ صحیح ہے اور فی الواقع حضورؐ نے یہ خبر دی ہے کہ مہدی کی بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئے گی کہ "ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی فاستمعوا لہ واطیعوا" تو یقیناً میری وہ رائے غلط ہے جو تجدید و احیائے دین میں میں نے ظاہر کی ہے۔ لیکن مجھے توقع نہیں ہے کہ حضورؐ نے ایسی بات فرمائی ہوگی۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی آمد پر بھی آسمان سے ایسی ندا نہیں آئی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جو آخری نبی تھے اور نوعِ انسانی کے لیے جن کے بعد کفر و ایمان کے فیصلہ کا کوئی دوسرا موقع آنے والا نہ تھا، آپ کی آمد پر بھی ایسی کوئی ندا آسمان سے نہ سنی گئی۔ مشرکین مکہ مطالبہ کرتے ہی رہے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہونا چاہیے جو ہمیں خبردار کرے کہ آپ خدا کے نبی ہیں یا اور کوئی صریح بات

ایسی ہونی چاہیے جس سے یقینی اور غیر مشتبہ طور پر ہمیں آپ کا نبی ہونا معلوم ہوجائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سارے مطالبوں کو رد فرمادیا، اور انھیں قبول نہ کرنے کی وجہ بھی متعدد مقامات پر قرآن میں ظاہر کردی کہ حقیقت کو بالکل بے نقاب کردینا جس سے عقلی آزمائش و امتحان کا کوئی موقع باقی نہ رہے، حکمت خداوندی کے خلاف ہے۔ اب یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس سنت کو صرف امام مہدی کے معاملہ ہی میں بدل دے گا اور ان کی بیعت کے وقت آسمان سے منادی کرائے گا کہ "لوگو یہ ہمارا خلیفہ مہدی ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو"!

تحریکِ اسلامی کے متعلق چند شبہات

سوال: ہماری دعوت اسلامی پر کچھ سنجیدہ اصحاب کی طرف سے حسب ذیل چند اعتراضات پیش کیے گئے ہیں۔ براہ کرم اپنے جوابات سے آگاہ فرمایئے:

(۱) جماعتِ اسلامی کی تحریک سے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ بن جائے گا۔ اس خطرہ کا کیا سد باب کیا گیا ہے۔

(۲) یہ تحریک ابن عبدالوہاب نجدی ہی کی تحریک ہے۔ جب آپکے ساتھ اچھی خاصی جمعیت ہوجائے گی تو آپ کا رویہ بھی ابن عبدالوہاب ہی کی طرح ہوگا۔

(۳) آپ بزرگانِ دین کا احترام بھی نہیں کرتے۔ سلف کے جن حضرات نے بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں ان کی کارگذاریوں پر آپ قلم پھیر دینا چاہتے ہیں اور خود کو ان سے بہتر کام کرنے کا اہل پاتے ہیں۔

(۴) آپ ارکان جماعت اسلامی کے سوا باقی سب مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔

جواب: میں اپنی حد تک انتہائی احتیاط کررہا ہوں اور میرے رفقا بھی خدا کے فضل سے اس معاملہ میں چوکنے ہیں کہ ہماری یہ جماعت مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ بننے نہ پائے۔ اگرچہ ہم سے اختلاف کرنے والوں میں سے ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوجائے جس سے ہم کو بھی ایک فرقۂ جدیدہ بنا ڈالا جائے۔ لیکن الحمدللہ کہ ہمارے اندر نہ اس کی کوئی خواہش ہے، نہ ارادہ

اور ہم اس فتنہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے بس میں ہے ہم اس خطرہ کا سد باب کر رہے ہیں لیکن شیطان کی شرارتوں کا ایسا کامل سد باب کہ اسے کسی طرح گھس آنے کا موقع نہ ملے انبیاء علیہم السلام بھی نہ کر سکے تو ہم کیا چیز ہیں کہ اس میں پوری طرح کامیاب ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ بندے کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اپنی حد امکان تک کوشش کرے اور آگے کے لیے اللہ سے دعا مانگے۔

(۲) ہمارا لٹریچر اور کام کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ ابن عبد الوہاب نجدی کی تحریک ہے یا آگے چل کر وہی کچھ بن جائے گی تو وہ اپنی رائے کا مختار ہے۔ ہم کسی شخص کو رائے رکھنے کے اختیار سے محروم نہیں کر سکتے۔

(۳) میں تمام بزرگانِ دین کا احترام کرتا ہوں، مگر پرستش ان میں سے کسی کی نہیں کرتا، اور انبیاء کے سوا کسی کو معصوم بھی نہیں سمجھتا۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگانِ سلف کے خیالات، اور کاموں پر بے لاگ تحقیق و تنقید کی نگاہ ڈالتا ہوں۔ جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک کسی غیر نبی کی رائے یا تدبیر میں خطا پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عظمت و بزرگی میں کوئی کمی آئے۔ اس لیے میں سلف کی بعض رایوں سے اختلاف کرنے کے باوجود ان کی بزرگی کا بھی قائل رہتا ہوں اور میرے دل میں ان کا احترام بھی بدستور باقی رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ بزرگی اور معصومیت کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جو بزرگ ہے وہ خطا نہیں کرتا اور جو خطا کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی رائے یا طریقہ کو نادرست قرار دینا لازمی طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ ایسا خیال ظاہر کرنے والا ان کی بزرگی کا احترام نہیں کرتا اور ان کی خدمات پر قلم پھیرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ اس مقام پر بھی نہیں رکتے۔ بلکہ آگے بڑھ کر اس پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھتا ہے۔ حالانکہ علمی معاملات میں ایک شخص کا دوسرے کی رائے سے اختلاف کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ جس سے اختلاف کر رہا ہو اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا بھی سمجھے اور بہتر بھی۔ امام محمد اور امام ابو یوسف نے بکثرت معاملات میں امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے

اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ مختلف فیہ معاملات میں اپنی رائے کو صحیح اور امام صاحب کی رائے کو غلط سمجھتے تھے، لیکن کیا اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ دونوں حضرات امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے ؟

(۴) یہ الزام کہ ہم ارکانِ جماعت اسلامی کے سوا باقی سب مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں، اگر ہماری ان تمام تحریرات کو پڑھنے کے بعد لگایا گیا ہے جو ہم نے اس الزام کی تردید میں بار بار لکھی ہیں تو اس کا کوئی جواب صبر کے سوا نہیں ہے۔ آخر سارے معاملات کا فیصلہ اسی دنیا میں تو نہیں ہو جانا ہے، کوئی عدالت آخرت میں بھی تو قائم ہوگی۔

الکوہل آمیز ادویہ کا استعمال

سوال: اس زمانہ میں انگریزی ادویہ جو عام طور پر رائج ہیں ان میں سے ہر رقیق دوا میں الکوہل (شراب کا جوہر) شامل ہوتا ہے۔ میں ان سے اجتناب کرتا ہوں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ خمر کی تحریم کے متعلق جو حکم قرآن شریف میں ہے اس میں اگر خمر کا مطلب "نشہ آور چیز" لیا جائے تو دوا میں الکوہل اتنا کم ہوتا ہے کہ نشہ نہیں کرتا اور نہ کوئی اس مقصد سے پیتا ہے، نہ اس ترکیب سے اپنے لیے حلال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں باریک بینی کی جائے تو ڈبل روٹی میں بھی آٹے کا خمیرا اٹھنے پر کچھ الکوہل بن جاتا ہے اور شربت جو بوتلوں میں آتے ہیں ان میں بھی کچھ الکوہل ضرور بن جاتا ہے، بلکہ باسی انگوروں میں بھی بنتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں کوئی وجہ حرمت نہیں نمودار ہوتی تو آخر صرف دوا ہی کے اندر الکوہل کی شمولیت کیوں اتنی زیادہ قابلِ توجہ ہو؟ نیز اگر باعتبار لغت خمر کا مطلب انگوری شراب لیا جائے تو الکوہل انگوری شراب نہیں ہے اس لیے انگریزی ادویات ناجائز نہ ہونی چاہئیں۔ لیکن علما نے اس زمانہ میں جب ایسی ادویات سامنے نہیں تھیں، ایسے سخت فتوے دے دیے کہ آج انھیں مختلف مواقع پر چسپاں (Apply) کرنے سے بڑی مشکل پیش آرہی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ آج کل یونانی ادویہ مرکبہ کا خالص حالت میں دستیاب ہونا بہت ہی دشوار ہے۔ خمیرہ مروارید میں بڑے سے بڑا متقی دوا ساز بھی مروارید کی جگہ تھوڑی سی صدف ملا دیتا ہے۔ نیز جانیں بچانے کے لیے جب لوگ زیادہ ترقی یافتہ انگریزی طب اور جراحی کے ماہرین کی طرف متوجہ ہونے

پر مجبور ہیں تو آخر وہ یونانی ادویہ تجویز کر دینے سے رہے! ان سارے پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر آپ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: خمر اگرچہ انگوری شراب کو کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد ہر نشہ آور چیز ہے۔ چنانچہ خمر کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ "الخمر ماخامر العقل" یعنی ہر وہ چیز خمر ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔ اور شریعت میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" یعنی جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ یہ کم مقدار کی حرمت نشہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ کم مقدار استعمال کر لینے سے نفس کے اندر کی وہ رکاوٹ دور ہو جاتی ہے یا کم از کم کمزور پڑ جاتی ہے، جو حرام چیز کے لیے نفس میں موجود ہوتی ہے۔

پھر یہ بات علمی طریق پر معلوم ہے کہ تمام شرابوں میں وہ اصل چیز جو نشہ پیدا کرنے والی ہے، الکوہل ہی ہے۔ اس لیے کسی صورت میں اس کا استعمال جائز تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایسے حالات میں جب کہ فن طب کی ترقی مسلمانوں کے ہاں ایک مدت سے بند ہو چکی ہے، اور جدید زمانہ میں اس فن کی تمام ترقیات ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوئی ہیں جو حرام و حلال کی تمیز سے خالی ہیں، اور انھوں نے نئے زمانہ کی بیشتر موثر دواؤں میں الکوہل کو ایک اچھا محلل پا کر دوا سازی میں بکثرت استعمال کیا ہے، افراد کے لیے اضطرار کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ شریعت کسی انسان سے یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ وہ اپنی صحت اور اپنی زندگی کی حفاظت کے صرف ان ذرائع پر انحصار کرے جو کسی خاص زمانہ تک دریافت ہوئے ہوں اور اس زمانہ کے بعد دریافت ہونے والے ذرائع خواہ کتنے ہی کارگر اور مفید ہوں، ان سے اجتناب کر کے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے۔ اس لیے افراد تو اضطرار کی بنا پر ان ذرائع میں حرمت کا سبب موجود ہوتے ہوئے بھی ان کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، لیکن تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اس وقت تک اس گناہ کے ذمہ دار بنتے رہیں گے جب تک وہ فن طب اور دوا سازی کی جدید ترقیات کو مسلمان بنا لینے کی اجتماعی کوشش نہ کریں۔

جدید فن طب اور دوا سازی کو مسلمان بنانے سے میری مراد یہ ہے کہ اس فن کی تمام موجودہ اور آئندہ ترقیات کو اسلام کے اصول اخلاق کا پابند بنایا جائے اور دوا سازی کے تمام موجودہ اور آئندہ ترقی پذیر ذرائع کو اسلامی حدود کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔ یہ کام جب تک اجتماعی سعی سے نہ ہوگا افراد تو اضطرار کی وجہ سے معاف ہوتے رہیں گے، لیکن جماعت کے نامۂ اعمال میں مسلسل گناہ لکھا جاتا

رہے گا۔ اجتماعی گناہوں کی یہی خاصیت ہے کہ ان کی وجہ سے افراد کے لیے انفرادی طور پر اضطرار کی حالت پیدا ہو جاتی ہے، مگر اجتماعی طور پر پوری جماعت گناہ گار قرار پاتی ہے۔

مزدوروں کی ہڑتالوں میں جماعت اسلامی کی پالیسی

سوال: آج کل ملک میں ہڑتالوں کا دور دورہ ہے۔ ہم لوگ جو جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں اور محنت پیشہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے موقع پر کیا روش اختیار کریں جبکہ ہمارے کارخانے یا محکمے میں ہڑتال ہو؟

جواب: اس معاملہ میں سردست ہماری پالیسی یہ ہے کہ جو مزدور یا محنت پیشہ لوگ ہمارے مسلک سے متاثر ہوں وہ ہڑتال کے زمانہ میں کام پر تو نہ جائیں لیکن ہڑتالیوں کے ہنگاموں سے بھی الگ تھلگ رہیں۔ نیز جن مطالبات کے لیے ہڑتال کی گئی ہو ان کے متعلق یہ رائے قائم کریں کہ آیا وہ منصفانہ ہیں یا غیر منصفانہ۔ اگر منصفانہ ہوں تو پُرامن اور معقول طریقہ سے ان کو تسلیم کرانے میں حصہ لیں مگر کسی فساد اور جھگڑے میں حصہ نہ لیں۔ اور اگر وہ غیر منصفانہ ہوں تو اپنے ہم پیشہ ہڑتالیوں سے صاف کہہ دیں کہ ہم تمھارے خلاف کام پر تو نہیں جائیں گے لیکن ہم تمھارے مطالبات کو انصاف پر نہیں سمجھتے۔ اور اگر ان کا کوئی حصہ منصفانہ اور کوئی حصہ غیر منصفانہ ہو تو ہڑتالیوں اور مستاجر (Employer) دونوں کو مطلع کر دیں کہ ہم ان مطالبات کے اتنے حصے سے اتفاق اور اتنے حصے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں جن ہڑتالوں میں سوشلزم کے نظریات کارفرما ہوں ان کے متعلق صاف صاف اس بات کا اظہار کریں کہ ہم ان نظریات میں اپنی اور دوسرے انسانوں کی فلاح نہیں پاتے۔

ضروری اعلان

جلد خریداروں کے پتے چھپوائے جا رہے ہیں اس لیے گزارش ہے کہ جو خریدار محسوس کرتے ہیں کہ ان کے پتے غلط یا مشکوک تحریر کیے جاتے ہیں وہ یہ اعلان دیکھتے ہی اپنا پتہ مع خریداری نمبر صاف لکھ کر دفتر میں ارسال فرما دیں۔
جن حضرات کے پتے انگریزی میں لکھے جانے ضروری ہوں وہ اپنے پتے انگریزی میں مع نمبر خریداری BLOCK LETTERS میں دفتر کو تحریر فرمائیں۔

"منیجر"